حضرت شاہ ولی اللہ کے عہد کے اخلاقی اور مذہبی حالات

ابو سلمان شاہجہانپوری

(۴)

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد مسلمانوں کا جو اخلاقی اور مذہبی زوال شروع ہوا۔ اور پھر اپنی انتہا کو پہنچا۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے سیاسی زوال کا نتیجہ تھا۔ حالانکہ واقعہ بہت کچھ سیاسی زوال نتیجہ تھا مسلمانوں کے اخلاقی اور مذہبی زوال کا۔ البتہ جب سیاسی زوال آیا تو اخلاقی اور مذہبی زوال بھی اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ مغلیہ حکومت کے زوال کی تاریخ عالمگیر اورنگ زیب کے بعد شروع ہوتی ہے۔ جن حضرات نے عہد مغلیہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ اس رائے کی سطحیت کا اندازہ کر سکتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جن مصائب اور فتن نے عالمگیر کے جانشینوں کی عزت و حشمت کو خاک میں ملا یا ملک کے امن و امان کو تہ و بالا کیا اور بالآخر جس آتش فتن نے مغلیہ حکومت کی حشمت و سطوت کو جلا کر خاک کا ڈھیر بنا دیا تھا اس کی پہلی چنگاری عہد عالمگیر ہی میں سلگی تھی۔ مغلیہ حکومت کا زوال عالمگیر اورنگ زیب کے عہد ہی میں شروع ہو چکا تھا لیکن عالمگیر کے تدبر، بصیرت، حکمت عملی اور بروقت اقدامات نے حکومت کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچا لیا لیکن وہ ان اسباب کا پوری طرح قلع قمع نہ کر سکا جو مسلمانوں کے دلوں میں پوری طرح گھر کر چکے تھے اور رفتہ رفتہ مسلم حیات اور ریاست کو گھن کی طرح کھائے جا رہے تھے یہ امراض و خصائل جو مسلمانوں میں پیدا ہو رہے تھے اور پرورش پا رہے تھے جنہوں نے مغلیہ حکومت کو مرہٹوں کی فوجی طاقت، جاٹوں کی بغاوت، سکھوں کی سرکشی اور دکن کی مرکز دشمن ریاستوں سے زیادہ نقصان پہنچایا، آرام طلبی، غداری، فرض ناشناسی، خودغرضی

جبُن موت سے خوف حتیٰ کہ میدان جنگ سے فرار، دشمن کو پیٹھ دکھاتا اور میدان جنگ میں دشمن کی ضربات سے صاف بچ کر نکل آنے کو ایک فن سمجھنا اور اسے اپنے معیوب اور شرمناک نہ سمجھنا وغیرہ تھے۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں۔

"مغل فوج میں صرف آرام طلبی اور محنت سے جی چرانے کا مرض نہ تھا بلکہ بلکہ ان میں غدار اور نمک حرام بھی بہت تھے۔ جس کثرت سے مغل سپہ سالار مرہٹوں کے ساتھ مل جاتے تھے اس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی اور تو اور مغل شاہزادے اور اورنگ زیب کے بیٹے اس سے بالاتر نہ تھے۔ جنجی کے محاصرے کے وقت شاہزادہ کام بخش نے جو ذوالفقار خاں کے ساتھ فوج کا سپہ سالار تھا، راجہ رام کے ساتھ اپنے باپ کے خلاف سازباز کرنا شروع کیا اور وہ اپنی فوج کے ساتھ مرہٹوں کے ساتھ ملنے والا ہی تھا کہ ذوالفقار خاں اور اس کے باپ اسد خاں کو پتہ لگ گیا اور انہوں نے اسے گرفتار کر کے زیر حراست اورنگ زیب کے پاس بھیج دیا۔ ستارہ میں مرہٹوں نے شاہزادہ محمد اعظم کو رشوتیں دے کر یہ طے کر لیا تھا کہ وہ ان کی رسد رسانی میں مخل نہ ہوگا چنانچہ وہ قلعہ جس میں محاصرے کے وقت دو ماہ کی رسد تھی، چھ ماہ تک فتح نہ ہوا۔

"جو کیفیت سپہ سالاروں کی تھی، وہی حالت قلعہ داروں، منصب داروں، مصاحبوں اور معمولی سپاہیوں کی اور امیروں وزیروں کی تھی اور جن قلعوں کی فتح میں کئی مہینے صرف ہوتے تھے، وہ ان کی نالائقی یا نمک حرامی سے دنوں میں دشمن کو، بغیر کسی کشت و خون کے واپس مل جاتے۔ جب ۱۷۰۴ء میں اورنگ زیب جنوبی دکن کو چھوڑ کر واکن کھیڑہ کی طرف متوجہ ہوا۔ تو تھوڑے ہی عرصے میں اس طرح ستارہ پرنالہ اور پاؤ گڑھ کے قلعے مغلوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

دشمنوں سے سازباز کرنے اور اپنی نالائقی اور غفلت شعاری سے ان

کا ہاتھ بٹانے کے علاوہ مغلوں نے اب ایک نئی بات یہ سیکھی تھی کہ لڑنے سے جی چرانے اور اگر انہیں کہیں خطروں کا سامنا کرنا پڑتا تو بجائے ان کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے راہ فرار اختیار کرتے اور لطف یہ ہے کہ اس "فن کثیف" میں بادشاہ کے بھائی بند تورانی بد مذہب ایرانیوں سے بڑھے ہوئے تھے ایک دفعہ اورنگ سے ایک تورانی امیر میر محمد امین نے شکایت کی کہ فوج کے اعلیٰ عہدے بد مذہب اور بد سیرت ایرانیوں کو مل رہے ہیں تو بادشاہ نے لکھا۔

جماعت تورانیاں کہ برادران ہمشہری بزرگان ما اند...... بہ مضمون ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ یعنی بینما زید خود را بدستہائے خود در ہلاکت در عین گیر ودار، مراجعت را معیوب نمی دانند۔ اگر در آوردن کے ایں حالت اود ہرچنداں مضائقہ ندارد۔ لیکن در عین کارزار سخت مشکل است اگر عیاذاً باللہ از ہمراہیاں حضور ایں صورت واقع شود، در یک لحظہ مقدمہ تمام حکایت بانجام برسد۔

اگر دریں امر مجرب و آزمودہ انکارے داشتہ باشد مفصل معروض دارد و جماعت ایرانیاں، خواہ ولایت زا، خواہ ہندوستان زا، کہ بجہل مرکب مشہور اند بعد مرحلہ از یں حرکت دور اند۔

انصاف بدہ کہ جہل آں مردم زشت
بہتر ز ہزار عقل روباہ سرشت

اورنگ اپنے ہمراہیوں کی اخلاقی کمزوریوں سے خوب واقف تھا اور وہ بار بار اپنے رقعات میں دیانتدار، کاردان ملازموں کی کمی پر آنسو بہاتا ہے۔ ایک جگہ لکھتا ہے۔ حالا یک کس برائے دیوانی بنگالہ کہ بہ حلیہ راستی و کاردانی آراستہ باشد، می خواہم یافتہ

نمی شود۔ از نایابی آدم کار آہ۔ آہ!" (رود کوثر ص ۳۴۶ تا ۳۴۸)

اس دور کے علماء و مشائخ کی حالت کیا تھی وہ کن بحثوں میں الجھے ہوئے تھے۔ اس کا اندازہ شیخ محمد اکرام صاحب کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

"مشائخیت روحانیت پر غالب آگئی اور تجدیدی تحریک قیومیت کے گرداب میں گم ہو گئی۔ جب خواجہ محمد معصوم کی وفات ہوئی تو ان کے وارثوں میں سے ہر ایک نام نہاد قیومیت کا دعویدار تھا۔ بھی آپس میں لڑ رہے تھے کہ قیوم میں ہوں۔ اور دنیا میرے سر پر قائم ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم نے اپنے بیٹے سیف الدین کو اورنگ زیب کے پاس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے بھیجا تھا لیکن جس انداز سے وہ رہتے تھے اس کا بیان ایک معتقد کی زبانی سنئے۔ آپ کی بارگاہ عالی اطلس کی بنی ہوئی جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اس بارگاہ میں سنہری کرسی جواہرات سے جڑاؤ رکھی جاتی جس پر آپ بیٹھتے تھے۔ اس کے گرد و نواح امراء بادشاہ، خان نہایت ادب سے دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔"

یہ تھے حالات، جب دہلی کے ایک نامور عالم کے گھر، آخر عمر میں ایک فرزند ارجمند تولد ہوا۔ جس کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ ان حالات کی اصلاح میں ہاتھ پاؤں مارے اور اس اخلاقی اور روحانی انحطاط کا سد باب کرے۔" (رود کوثر ص ۳۰۹)

یہی وہ خصائل قبیحہ تھے جو مسلمانوں کی سیاسی قوت کو گھن کی طرح کھا رہے تھے اور انہی میں مغلیہ حکومت کے زوال کا راز پنہاں ہے۔ عالمگیر نے مغلیہ حکومت کے بڑے بڑے دشمنوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ نظام حکومت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی لیکن اخلاقی اور مذہبی روح کو بیدار کرنے میں وہ قطعی ناکام رہا۔ حالات کی خرابی اور اخلاق کی اس درجہ گراوٹ کا عالمگیر کو خود بھی احساس تھا۔

اورنگ زیب جب تک زندہ رہا وہ اپنے تدبر، بیدار مغزی، حکمت عملی اور مضبوط نظم ضبط سے ان حالات کا مقابلہ کرتا رہا اورنگ زیب کے بعد اگرچہ مغلیہ تخت و تاج کو اس کا جانشین مل گیا لیکن سیاسی بصیرت، تدبر بیدار مغزی اور حسن انتظام سلطنت میں اورنگ زیب کا کوئی جانشین پیدا نہیں ہوا۔ اورنگ زیب کے بعد مسلمانوں کے سماجی اور اخلاقی حالات اور بھی خراب ہوگئے سید ہاشمی فریدآبادی تحریر فرماتے ہیں۔

> آرام کی عادت اور تن پروری کے اسباب نے جسم کو محنت و زحمت اٹھانے کے قابل نہ رہنے دیا۔ سپہ سالار پالکیوں میں بیٹھ کر فوجیں لڑانے جاتے تھے سواروں کے ساز و یراق دیکھ کر لشکر پر برات کا دھوکا ہوتا تھا کئی فرنگی سیاحوں نے اس زمانے کے سفرنامے لکھے ہیں۔ مقامی تاریخوں سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ بادشاہی اردو' ایک متحرک شہر معلوم ہوتا تھا اور اس کے بازاروں میں ہر قسم کا سامان راحت جس کی شہری آبادی میں دولت مندوں کو تلاش رہتی ہے، مہیا کیا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے وہ آج کل کے بڑے جہازوں سے جن میں مسافروں کی عیش و تفریح کے لوازم فراہم کئے جاتے ہیں، معنوی مماثلت رکھتا ہے۔ جو قوم زمانہ جنگ و سفر میں یہ آسائش ڈھونڈتی ہو حالت امن و اقامت میں ان کی جس قدر خوگرفتہ اور پابند ہوگی، وہ ظاہر ہے ان تعیشات میں زیادہ زور خواب گاہ اور دسترخوان کی وسعت پر دیا جاتا تھا بہتر سے بہتر باورچی اور رکاول ہنرمندی کے کمال دکھاتے اور نئی نئی قسم کے کھانے پکاتے طرح طرح کے مصالحوں سے ان کو بامزہ بناتے تھے۔ اطبا کی مدد سے یہ غذائیں نہایت مقوی تیار کی جاتی تھیں اور عیاشی کی لاگ سے بہت سی ادویہ اور منشیات امیروں کی خوراک کا ضروری حصہ بن گئی تھیں عالمگیری عہد کو چھوڑ کر مغلیہ درباروں میں شراب کا دور خاص طرح عام تھا۔ نفسانی جذبات کو زیادہ مشتعل کرنے کی غرض سے ارباب نشاط کی بازاروں

صدی ہجری (اٹھارہویں صدی عیسوی) میں افراط پائی جاتی ہے۔ کہ رنڈیوں کی پوری ایک قوم پرورش پاگئی تھی۔ بڑے شہروں میں ان کے محلے کے محلے آباد تھے اور مشکل سے شمالی ہند کا کوئی قصبہ ایسا ہوگا جہاں ان کے اڈے نہ بن گئے ہوں۔ ان کے جلو میں سازندوں سفردائیوں، ڈوموں، ڈفالیوں کی فوج کی فوج اپنی زندگی خراب کرتی اور دوسروں میں گندگی پھیلاتی پھرتی تھی۔ یہ لوگ اخلاق کے حق میں سمی جراثیم تھے جو عموماً آہستہ آہستہ ملت کی رگ و پے میں تیر جاتے تھے صدی کا وسطی ثلث (یعنی محمد شاہ اور احمد شاہ کا عہد) ان بے اعتدالیوں کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔"

بادشاہوں کی سیہ مستیوں کے بہت سی ہم عصر کتابوں کی سرخیاں اور بعض ابھی تک زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں امرد پرستی غالباً اسی دور میں ایک مستقل بازی بنی اور ہیجڑوں کا پیشہ اسی کی یادگار سمجھنا چاہیئے۔"

ایک ایرانی نژاد منصب دار درگاہ قلی خاں عین حملہ نادری کے زمانہ میں آصف جاہ اول کے زمانہ میں دہلی آیا تھا۔ اس نے یہاں کے چشم دید حالات لکھے تھے۔ یہ سفرنامہ "دہلی بارہویں صدی ہجری میں" کے نام سے حیدرآباد سے شائع ہو چکا ہے۔ مؤلف نے شہر بھر میں ارباب نشاط آثار دہلی گھما گھمی دیکھی، شعراء علماء اور مشائخ سے زیادہ گویے، ڈوم رنڈیاں باکمال اور صاحب شہرت وہاں نظر آئیں۔ اس نے مزارات اور عرسوں کا حال بھی لکھا ہے انہیں میں ایک سالانہ عرس شاہ عالم بہادر شاہ اول کا بڑی شان سے منایا جاتا تھا۔ مؤلف کوئی زاہد پاک باز نہیں مگر اس میلے کے تماشے دیکھ کر اس کی بھی آنکھیں نیچی ہو گئیں۔ یہ چند کلمات اس کی زبان سے سنئے۔

"برنج ہائے روشنی بپرورش آبہائی ... انوار می فرستند و بنگلہ ہائے تجلی آگیں طرح وادی ایمن می کنند۔ معاشران، با محبوبان خود در ہر گوشہ و کنار دست در بغل، و عیاشان در ہر کوچہ و بازار بجول

مشتہیات نفسانی در رقص سے شود۔ بہ ... بیشۂ محتسب در تلاش سیہ مستی و شہوت طلبان بے وا ہمہ مزاحمت سرگرم شاہد پرستی ہجوم امارد نوخطان توبہ شکن زہاد و آتش پسران برہم زن بنیاد صلاح و سداد۔ تا نگاہ پروانہ کند شمع روئے مست و تا چشم واشود حلقۂ فتراک گیسوئے سامان فواحش بہ شاہد کہ یک عالم فساق بہ کام دل می رسند۔ و اسباب خباثت بہ درجۂ کہ یک جہان فجار کسب تمتع می نمایند۔ تا کسے مجال خود رار سد امردے چشمک می زند و تا چشم چراغ روشن کند زنکہ پیام می فرستد۔ کوچہ و بازار از نواب و خوانین لبریز و گوشہ و کنار از امیر و فقیر شعر وانگیز۔ مطرب و قوال از مگس زیادہ تر محتاج وسائل از پشۂ افزون تر قصہ مختصر بہ این ترتیب وضع و شریف این دیار ہوا جس نفسانی ترتیب دہند و مستلذات جسمانی فائز می شود۔ درچنیں ہنگامہ چشم بستن عین مصلحت و بصر کشودن محض بصیرت۔"

اس عہد میں مسلم معاشرہ ابتری اور زوال کی جس منزل پہ پہنچ چکا تھا اور مسلمان جس اخلاقی پستی میں پہنچ چکے تھے اس کے مطالعہ کے بعد زیر بحث عہد کی مذہبی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ سماجی ابتری اور اخلاقی پستی مذہب سے دوری اور بے گانگی ہی کا نتیجہ تھی۔

مسلم سوسائٹی میں صوفیوں، فقیہوں اور زاہدوں وغیرہ مذہبی طبقات کا جو اثر و رسوخ ہمیشہ رہا ہے اور ان طبقات کو مسلمانوں میں جو عزت و احترام حاصل رہا ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں لیکن ان کی اخلاقی حالت اس درجہ خراب ہو چکی تھی کہ ان سے سوسائٹی کو فیض پہنچنے کی بجائے نقصان پہنچ رہا تھا۔ یہ طبقات جو کبھی مذہب و اخلاق کے لئے باعث افتخار سمجھے جاتے تھے اب ان کا وجود مذہب و اخلاق کے دامن پر ایک بدنما داغ تھا کبھی ان کے پرتو صحبت سے

بدعملوں اور گنہگاروں کی زندگیاں بنتی اور سنورتی تھیں اب عام مسلمانوں کو ان سے بچانے کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ایک خط میں اپنے بعض احباب کو نصیحت فرماتے ہیں:

زمانے کا رنگ بالکل بدل گیا اور مذہب کا چشمہ بہت مکدر ہو گیا ہے اور ہر کوشش جو مسلمانوں کو ظاہراً رونق دے رہی ہے حقیقت میں اسلامی نہیں ہے.... تم پانچ طرح کے لوگوں سے اپنے تئیں بچاؤ۔

ایک بے حیا صوفی سے جو رفع تکلیف کے دعویٰ کرتا ہے اور اپنے مجازی امور میں توقف نہیں کرتا۔

دوسرا جھگڑالو معقولی جو شک و اوہام کے فتنے پھیلاتا ہے اور خدا کا مطیع نہیں ہوتا۔

تیسرا شیخی خور فقیہہ جو مردہ اقوال پر خوش ہوتا ہے اور نبی صلعم نے اپنی امت کے لئے جن باتوں کی توضیح کی ہے ان کی پیروی نہیں کرتا۔

چوتھا۔ خشک زاہد جو دین میں اس درجہ سختی اور تشدد کرتا ہے کہ گویا اسے کسی بارے میں اجازت ہی حاصل نہیں۔

پانچواں۔ سرکش مالدار جو تکلف اور بناوٹ کے ساتھ عجمیوں کی ہیئت اختیار کرتا اور ان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہونے کو دوست رکھتا ہے۔"

(رود کوثر ۳۵۱۔ ۳۵۲)

اس خط پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں اس دور کی مذہبی اور اخلاقی حالت کے جس پس منظر میں یہ خط لکھا گیا ہے وہ اس سے صاف عیاں ہے سیاسی اقتدار و قوت کے پہلو بہ پہلو مذکورہ طبقات کو مسلمان معاشرہ میں ہمیشہ سب سے زیادہ رسوخ حاصل رہا ہے اور مسلمانوں کے ذہنوں پر مذہبی طبقات کی گرفت ایک مضبوط اور عمدہ حکومت سے بھی زیادہ سخت رہی ہے۔ خیال کیا جاسکتا ہے کہ جب مسلم سوسائٹی کے سب سے اعلیٰ اور مذہبی طبقے کے خصائل وہ ہوں گے جن کی بنا پر حضرت شاہ صاحب نے عوام کو ان سے بچنے اور دور رہنے کی نصیحت کی ہے تو ان عوام کی اخلاقی حالت کیا ہوگی جو علم دین کی کمی، جہالت اور معاشی بدحالی وغیرہ کی وجہ سے کبھی اعلیٰ طبقات کے

ے کو نہیں پہنچے۔ اور وہ معاشرہ اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے کس درجہ بلند ہوگا جس کا
لتی لحاظ سے اس درجہ پست ہوگا۔

بالا خط میں شاہ صاحب نے صوفیوں کے بارے میں مختصر الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔
یں اس طبقے کے افعال و اخلاق سے بالکل پردہ اٹھا دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

ن زمانے کے مشائخ کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے اور کبھی ان کا مرید ہونا چاہیئے۔ کیونکہ آج کل یہ لوگ طرح طرح کی بدعات و رسومات میں ملا ہیں شہرت، رجوع خلق مریدوں کی کثرت دیکھ کر دھوکا نہ کھانا ہیئے اور نہ ہی ان کی کراماتوں سے دھوکا کھانا چاہیئے۔ عوام کا رجحان رغلو رسم و رواج کی بنا پر ہوتا ہے اور رسمی امور کبھی قابل اعتبار نہیں ا کیونکہ آج کے کرامت پرستوں نے عام طور پر طلسمات اور شعبدہ بازی کرامت سمجھ رکھا ہے الاماشاءاللہ۔ انہیں شعبدہ بازیوں کو وہ کرامت ہ کر مخلوق کے سامنے پیش کرتے ہیں ...... ان لوگوں کے نزدیک سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ دل کا حال بتا دیا جائے اور آئندہ پیش نے والے واقعات معلوم ہو جائیں اور یہ امر بہت آسان ہے۔"

طرح طرح کے رسوم و توہمات میں مبتلا تھے۔ حقیقی مذہبی زندگی کا قطعی خاتمہ صوف و عرفان کے نام سے مختلف غارت گرِ اخلاق و ایمان فرقے پیدا ہو عوام کی اخلاقی و مذہبی زندگی کو تہ و بالا کر رہے تھے۔ علم نجوم و رمل، عمل تنویم اور یسے کام لے کر عوام کو اپنی جانب متوجہ کرتے تھے اور انہیں باور کراتے تھے کہ ی جو اتیں حاصل ہیں۔ عوام اپنی جہالت توہم پرستی اور زود اعتقادی کی بنا پر لٹنے ں جاتے اور نہ صرف زر و مال بلکہ دولت ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔
سن گیلانی نے متعدد فتنوں کا تذکرہ کیا ہے آخر میں لکھتے ہیں۔
لغرض غلط تصوف اور جھوٹے تشیع کی راہوں سے اعتقادی و عملی

تباہیوں کا سیلاب مختلف شکلوں میں مسلمان ملک کے مختلف گوشوں
میں مسلمانوں کی خالص اسلامی و دینی زندگی کے ایوان کو دھمکیاں
دے رہا تھا۔ (تذکرہ شاہ ولی اللہ ص ۱۲۱)

تفہیمات میں جہاں حضرت شاہ صاحب نے امت کے مختلف طبقات کو خطاب فرمایا ہے مشا… کی اولاد کو بھی خطاب فرمایا ہے۔ اس خطاب کے پس منظر میں ہم اس دور کے صوفیا و مشا… کی اخلاقی اور ایمانی حالت کو اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے … صوفیا و مشائخ ایمان و اخلاق کی دولت سے تہی دامن رسوم آباء کے پرستار، باپ دادا او… بزرگان دین کے نام کے تاجر، ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے، اپنے اصل مقصد اور نصب العین… قطعاً غافل، خدا کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی جانب دعوت دینے… کی بجائے اپنی پرستش کے طالب اور اپنی پیشوائی کے مدعی، خود گم کردہ راہ اور دوسروں… بھٹکانے والے، اہل دین کی شکل و صورت میں حرص و ہوس کے بندے، دنیا کے پرست… دولت کے بھوکے تھے۔ صرف مال و دولت کے لئے لوگوں کو مرید کرنا، ایک علم شریف (تصوف)… کو بیچنا اور اس کے ذریعہ دنیا سمیٹنا ان کا شیوہ تھا۔ حتیٰ کہ شاہ صاحب نے ان کو بٹ مار، د… کذاب، فتان اور فتنہ تک کہہ دیا ہے فرماتے ہیں۔

"اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ یہ لوگ بٹ مار اور راہزن ہیں، ان کا شمار دجالوں، کذابوں فتانوں اور ان لوگوں میں ہے جو خود فتنہ اور آزمائش کا شکار ہیں۔"

پھر اسی خطاب میں عوام کو نصیحت فرماتے ہیں۔

"خبردار خبردار! ہرگز اس گروہ کی پیروی نہ کرنا جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو۔ اور اپنی طرف بلاتا ہو کہ زبانی جمع و خرچ صوفیہ کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں نہ کیا جائے کیونکہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے۔"

عالموں، زاہدوں اور واعظوں کی اخلاقی اور مذہبی حالت بھی نام نہاد صوفیاء و مشائخ سے قطعاً مختلف نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے امت مسلمہ کے ان طبقات سے بھی خطاب فرمایا ہے اور اسی خطاب اور ہدایت و نصیحت کے پس منظر میں ان طبقات کے اخلاق و خصائل اور عادات و اطوار کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔

علماء فلسفہ یونان میں ڈوبے ہوئے تھے، صرف و نحو اور منطق و کلام کو علم دین سمجھ رکھا تھا۔ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تدریس سے شغف نہ تھا علوم یونانیاں میں درک علم کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ حضور کی روش کی پیروی اور آپ کی سنت پر عمل سے یکسر عاری اور سیرت طیبہ اور قرآن کے وہ احکام زندگی میں جن کی واقعی ضرورت تھی، جن سے زندگی سنورتی ہے، اخلاق درست ہوتے ہیں اور افکار کو جلا ملتی ہے ان سے قطعاً غافل تھے۔ اس خطاب کے آخر میں فرماتے ہیں۔

> "جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع آلات کی ہے تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو نہ کہ خود ان ہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اس لئے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو، لیکن تم نے دینی شعائر اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو نا مدا ز ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔ تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہو چکی ہے۔"

واعظوں نے رطب و یابس کو دین کے نام پر پھیلایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جھوٹ بولتے، حدیثیں گڑھتے اور لوگوں کو سناتے عابدوں اور زاہدوں نے عوام پر دین کے نام پر زندگی تنگ کر دی تھی۔ دین کی بخشی ہوئی آسانیوں سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، وساوس کا نام افکار دینی اور الہامات اور زندگی کے حقیقی مسائل سے فرار کا نام زہد و ورع رکھا تھا۔ سیرت طیبہ صلعم کے مطالعہ اور اس کے مطابق عمل کی بجائے مغلوب الحال اور

تباہیوں کا سیلاب مختلف شکلوں میں مسلمان ملک کے مختلف گوشوں
میں مسلمانوں کی خالص اسلامی و دینی زندگی کے ایوان کو دھمکیاں
دے رہا تھا۔ (تذکرہ شاہ ولی اللہ ص۱۶۹)

تفہیمات میں جہاں حضرت شاہ صاحب نے امت کے مختلف طبقات کو خطاب کی اولاد کو بھی خطاب فرمایا ہے۔ اس خطاب کے پس منظر میں ہم اس دور کے کی اخلاقی اور ایمانی حالت کو اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں ان کے مطالعے سے معلوم صوفیا، ومشائخ ایمان و اخلاق کی دولت سے تہی وا ن رسوم آبا کے پرستار، یا بزرگان دین کے نام کے تاجر، ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے، اپنے اصل مقصد اور ذ قطعاً غافل، خدا کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی جانب د کی بجائے اپنی پرستش کے طالب اور اپنی پیشوائی کے مدعی، خود گم کردہ راہ اور دو بھٹکانے والے، اہل دین کی شکل وصورت میں حرص وہوس کے بندے، دنیا دولت کے بھوکے تھے۔ صرف مال ودولت کے لئے لوگوں کو مرید کرنا، ایک علم کو بیچنا اور اس کے ذریعہ دنیا سمیٹنا ان کا شیوہ تھا۔ حتیٰ کہ شاہ صاحب نے ان کذاب، فتان اور فتنہ تک کہہ دیا ہے فرماتے ہیں۔

" اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ یہ لوگ بٹ مار او
راہزن ہیں، ان کا شمار دجالوں، کذابوں فتانوں اور ان لوگوں میں
ہے جو خود فتنہ اور آزمائش کا شکار ہیں"

پھر اسی خطاب میں عوام کو نصیحت فرماتے ہیں۔

" خبردار خبردار! ہرگز اس گروہ کی پیروی نہ کرنا جو اللہ کی کتاب ا
رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور اپنی طرف بلاتا ہو کیونکہ
جمع وخرچ صوفیہ کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں ذ
جائے کیونکہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان
مقام حاصل ہو جائے"

عالموں، زاہدوں اور واعظوں کی اخلاقی اور مذہبی حالت بھی نام نہاد صوفیاء و مشائخ سے قطعاً مختلف نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے امت مسلمہ کے ان طبقات سے بھی خطاب فرمایا ہے اور اسی خطاب اور ہدایت و نصیحت کے پس منظر میں ان طبقات کے اخلاق و خصائل اور عادات واطوار کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔

علماء فلسفہ یونان میں ڈوبے ہوئے تھے، صرف و نحو اور منطق و کلام کو علم دین سمجھ رکھا تھا۔ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تدریس سے شغف نہ تھا علوم یونانیاں میں درک علم کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ حضور کی روش کی پیروی اور آپ کی سنت پر عمل سے یکسر عاری اور سیرت طیبہ اور قرآن کے وہ احکام زندگی میں جن کی واقعی ضرورت تھی، جن سے زندگی سنورتی ہے، اخلاق درست ہوتے ہیں اور افکار کو جلا ملتی ہے ان سے قطعاً غافل تھے۔ اس خطاب کے آخر میں فرماتے ہیں۔

> "جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع آلات کی ہے تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو نہ کہ خود ان ہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اس لئے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو، لیکن تم نے دینی شعائر اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو نا ندازِ ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔ تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہو چکی ہے۔"

واعظوں نے رطب و یابس کو دین کے نام پر پھیلایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جھوٹ بولتے، حدیثیں گڑھتے اور لوگوں کو سناتے عابدوں اور زاہدوں نے عوام پر دین کے نام پر زندگی تنگ کر دی تھی۔ دین کی بخشی ہوئی آسانیوں سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، وساوس کا نام افکار دینی اور الہامات اور زندگی کے حقیقی مسائل سے فرار کا نام زہد و ورع رکھا تھا۔ سیرت طیبہ صلعم کے مطالعہ اور اس کے مطابق عمل کی بجائے مغلوب الحال اور

صاحبان کشف وکرامات کے تذکرے ان کی مرغوب غذا تھے۔ ترک دنیا اور رہبانیت کو معیار تقویٰ اور اسلامی زندگی سمجھ رکھا تھا۔

یہ حالت تو مذہبی طبقوں کی تھی۔ سوسائٹی کے دوسرے طبقات مثلاً سلاطین امراء و ارکان دولت، ملازمت پیشہ، اہل صنعت وحرفت اور سب سے آخر میں مسلم عوام کی اخلاقی ومذہبی حالت اس سے مختلف نہ تھی۔ اس عہد کی تاریخوں میں ایسے مواد کی کمی نہیں جس سے سوسائٹی کے مختلف طبقات کی اخلاقی و مذہبی اور اس دور کے معاشرہ کی صحیح تصویر کھینچی جا سکے لیکن ہم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مواعظ و نصائح کے پس منظر میں اس عہد کی سوسائٹی کے مختلف طبقات کے اخلاق اور اس عہد کے سماجی حالات کا نقشہ کھینچنا زیادہ مناسب خیال کرتے ہیں۔ سلاطین، امراء اور ارکان دولت سے شاہ صاحب کے خطاب و نصائح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہاد کی اہمیت سے ناآشنا اس کی ضرورت کے احساس سے غافل نظم وضبط کی صلاحیتوں سے عاری جہانبانی اور کشورکشائی اور سلطنت کے انتظام کے حقیقی تقاضوں سے یکسر ناواقف یا غافل تھے۔ اخلاقی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شراب علانیہ پی جاتی تھی اور اس کو برا بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ زناکاری کے لئے اڈے قائم تھے جو عام تھا۔ شریعت اسلامیہ کا کسی کو لحاظ نہ تھا۔ یہ حالت تھی لیکن ان خرابیوں کا کسی کو احساس نہ تھا۔ خدا کا نام لیا جاتا تھا لیکن زندگی سے خدا کے دین کا کچھ تعلق نہ تھا۔ تمام ذہنی صلاحیتیں اور عملی قوتیں دنیا اور دنیا کے لذائذ کے حصول میں صرف ہو رہی تھیں۔

حضرت شاہ صاحب کے خطاب کا مندرجہ ذیل ٹکڑا سلاطین وامراء اور ارکان دولت کی اخلاقی و مذہبی حالت کی تصویر کشی کے لئے کفالت کرتا ہے۔

"اے امیرو! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ دنیا کی فانی لذتوں میں ڈوبے جا رہے ہو اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں سے بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے رہیں کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو

تم برا بھی نہیں سمجھتے۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لئے کھڑے کئے ہیں کہ ان میں زناکاری کی جائے اور شرابیں ڈھالی جائیں۔ جوا کھیلا جائے لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے اور اس حال کو نہیں بدلتے..... تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہوتی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو۔ اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو۔ اچھے کپڑے اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی طرف منعطف نہیں ہوتی۔ کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ کے سامنے جھکائے۔ خدا کا نام تمہارے پاس فقط اس لئے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمہاری مراد زمانہ کا انقلاب ہے کیونکہ تم اکثر بولتے ہو کہ خدا قادر ہے کہ ایسا کر دے یعنی زمانہ کے انقلاب کی یہ تعبیر ہے۔

شاہ صاحب نے ایک خط میں بھی بادشاہ امراء اور ارکان دولت کو کچھ نصیحتیں کی ہیں۔ اس سے یہ بات منرشح ہوتی ہے کہ آزمائش کے وقت امراء منصب دار اور لشکری بادشاہ سے نمک حرامی اور ملت بیضا کے مفاد سے غداری کرتے تھے اسلامی غیرت و حمیت ان میں نام کو نہ تھی، لشکریوں کو وقت پر تنخواہیں نہ ملتی تھیں اور اس وجہ سے وہ سودی قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے۔ اس سے طرح طرح کے مفاسد پھیلتے تھے۔ رشوت عام تھی حتیٰ کہ قاضی و محتسب تک لیتے تھے۔ مذہب کے خدمت گزار کس مپرسی کی حالت میں تھے بادشاہ اور امراء عیش و عشرت کی زندگی گذار رہے تھے اور اسلامی حکومت کے استحکام اور ملت اسلامیہ کے اجتماعی مفاد کے کاموں سے یکسر غافل تھے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

جو لوگ اس فتنہ میں غنیم کے ساتھی ہوئے ہیں ضروری ہے کہ ان کو جاگیر و منصب اور خدمت سے بے دخل کر دیں تاکہ ان کے لئے یہ چیز سزا کے

قائم مقام ہو جائے اور دوسرے لوگ اس قسم کے مواقع پر حق نمک کی ادائیگی کے راستے سے نہ بھٹکیں۔ افواج بادشاہی کی ترتیب عمدہ طریقہ پر کرنی چاہیئے اور یہ ترتیب تین طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

۱- نجیب ہوں، بہادر ہوں اور اپنے ساتھیوں پر شفیق ہوں اور تہ دل سے بادشاہ کے خیر خواہ ہوں۔

۲- جن لوگوں سے اس فتنہ میں بے غیرتی اور نمک حرامی سرزد ہوئی ہے ان کو معزول کر کے دوسروں کو داخل رسالہ کیا جائے۔

۳- ملازموں کی تنخواہیں بغیر تاخیر کے ان کو ملنی چاہئیں اس لئے کہ تاخیر کی صورت میں وہ لوگ سودی قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور ان کا اکثر مال ضائع ہو جاتا ہے ..... قاضی اور محتسب ایسے لوگوں کو بنایا جائے جن پر رشوت ستانی کی تہمت نہ لگائی گئی ہو.... ائمہ مساجد کو اچھے طریقے پر تنخواہ دی جائے۔ نماز باجماعت کی حاضری کی تاکید اور ماہ رمضان کی بے حرمتی کی مخالفت پورے طور پر کی جائے۔

بادشاہ اسلام اور امراء عظام تا بامیز عیش و عشرت میں مشغول نہ ہوں۔ گزشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں۔ اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں۔" (شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص۹۳)

یہ بیان کسی مورخ کا نہیں بلکہ ایک حکیم اور مدبر کی جانب سے بادشاہ، امراء اور ارکان سلطنت کے نام نصیحت نامہ ہے جس میں نہ صرف ان کے زیر دستوں کی بلکہ خود ان کی اخلاقی کمزوریوں کی بھی نشان دہی اور ان کے ترک کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس لئے اس کی اہمیت ایک مورخ کے بیان سے بڑھ جاتی ہے۔

ہمیں اس بیان کی صداقت معلوم کرنے کے لئے کسی اور کسوٹی کی ضرورت نہیں بلکہ اس دور کی اخلاقی و مذہبی اور سماجی تاریخ کی یہ خود کوئی اور تاریخ کی صحت کا معیار ہے۔

امراء اور ارکان دولت کی جو اخلاقی و مذہبی حالت تھی اس سے ان کے زیردستوں کی حالت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ان کی کمزوریوں اور اخلاقی پستیوں کی بھی نشاندہی کردی ہے فوجیوں سے خطاب میں شاہ صاحب نے انہیں جن معائب کے ترک کی نصیحت کی ہے ان میں جہاد سے غفلت، نماز سے بے پروائی، میدان جنگ و مقابلہ سے فرار، عوام پر ظلم ان کا مال غصب کر لینا، دولت دنیا کا عشق، عیاشانہ زندگی کی طلب، بھنگ اور شراب نوشی وغیرہ عادات خبیثہ شامل ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

"اے فوجیو اور عسکریو! تمہیں خدا نے جہاد کے لئے پیدا فرمایا تھا مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہوگی اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے لیکن جس کام کے لئے تم پیدا کئے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے اب جو تم گھوڑے پالتے ہو ہتھیار جمع کرتے ہو اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ اپنی دولت میں اس سے اضافہ کرو۔ اس سلسلہ میں جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن ہوتے ہو، تم شرابیں پیتے ہو، بھنگ کے پیالے چڑھاتے ہو۔ عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو۔ حالانکہ جو کچھ ان کا لے کر کھاتے ہو اس کی قیمت ان تک نہیں پہنچتی۔"

کسی قوم اور ملک کے لئے تاجر اور صنعت کار ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اگر کسی قوم کے تاجر اور صنعت کار دین داری اور عمدہ اخلاق کی صفات سے محروم ہو جائیں تو ملک کا اقتصادی توازن بگڑ جاتا ہے اور اخلاقی لحاظ سے معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے عہد میں اس طبقہ کی اخلاقی اور مذہبی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امانت دیانت کی صفات سے یہ طبقہ محروم اور توہمات میں گرفتار تھا اور ان میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس نے کسی جائز پیشے کو اختیار کرنے کی بجائے عورتوں کی حرام کمائی کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیا تھا۔ اس طبقہ کی مذہبی اور اخلاقی حالت کے اظہار کے لئے حضرت شاہ صاحب

کا یہ خطاب کفالت کرتا ہے۔

اے ارباب پیشہ! دیکھو، امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہو گیا ہے۔ تم اپنے رب کی عبادت سے خالی الذہن ہو چکے ہو اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو تم سالار اور سالار کا حج کرتے ہو۔ تم میں سے بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹونکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہی ان کی دولت ہے اور یہی ان کا ہنر ہے یہ لوگ خاص قسم کا لباس اختیار کرتے ہیں۔ خاص طرح کے کھانے کھاتے ہیں ان میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے۔ تم میں سے بعض صرف شراب خوری کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور تم ہی میں سے کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں۔ یہ کیسا بدبخت آدمی ہے اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر رہا ہے۔

حالانکہ حق تعالیٰ نے تمہارے لئے مختلف قسم کے پیشے اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں ..... لیکن تم خدا کی ناشکری اور غلط راہ حصول رزق کی اختیار کی۔"

اوپر کی سطروں میں معاشرہ کے مختلف طبقات کی مذہبی و اخلاقی حالت کا جائزہ لیا ہے کسی معاشرہ کے یہ وہ اہم طبقات ہیں جن کے اخلاق اور مذہبی حالت کے آئینہ میں عوام بلکہ پوری قوم کے اخلاق اور مذہبی حالت کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ بمصداق الناس علی دین ملوکھم، لوگوں کی اخلاقی حالت معاشرہ کے اعلیٰ طبقات کے برخلاف نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہم عوام کی مذہبی و اخلاقی حالت معاشرہ کے اعلیٰ طبقات کے برخلاف نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہم عوام کی مذہبی و اخلاقی حالت کو واضح طور پر بیان کر دینا چاہتے ہیں۔ اور ان حالات کی عکاسی کے لئے ہم حضرت شاہ صاحب کے خطاب ہی کا خلاصہ یہاں پیش کرتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں